ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

قرآن فہمی کے اصول: حدیث وسنت اور فہمِ صحابہ کی روشنی میں

METHODOLOGICAL PRINCIPLES OF QUR'ANIC INTERPRETATION: BASED ON HADITH, PROPHETIC SUNNAH, AND THE UNDERSTANDING OF THE COMPANIONS

Dr. Sumayyah Rafique
Assistant Professor
Department of Islamic Thought and Culture
National University of Modern Languages, Karachi Campus.
srafique@numl.edu.pk

Abstract:

The Noble Qur'an is the foundational source of the religion of Islam, revealed as guidance, light, and a complete code of life for all of humanity. While it is unmatched in its eloquence, comprehensiveness, and universality, its true understanding cannot be attained merely through the apparent meanings of words and phrases. The Qur'an is a holistic message, and to comprehend it fully, Allah Himself has established certain principles and means. Foremost among these is the noble person of the Prophet Muhammad □, who was sent as the living embodiment and practical interpretation of the Qur'an.The Prophet □ not only recited the Qur'an in the light of divine revelation but also clarified its rulings, explained its meanings, and implemented its commands in his daily life. In this regard, Hadith and Sunnah constitute the practical exegesis of the Qur'an, without which a sound understanding of the divine message is not possible. Hence, all exegetes, hadith scholars, and jurists unanimously agree that the foundation for interpreting the Qur'an must be rooted in Hadith and Sunnah.Alongside this, the role of the Companions (Sahabah) is also fundamental in understanding the Qur'an. They were the first direct recipients of revelation; they witnessed the Qur'an being revealed and observed the Prophet □'s sayings and actions firsthand. Their hearts were illuminated by the light of the Qur'an, and their minds were enlightened by the Prophetic guidance. Thus, their statements and practices—referred to as Aathar al-Sahabah (Reports of the Companions) offer a depth of insight into Qur'anic interpretation that later generations cannot independently achieve.The scholars of the Ummah have always relied on Hadith and the reports of the Companions when interpreting the Qur'an. This methodological approach is consistently evident in the interpretive traditions of the Sahabah, the Tabi'un, the Tabi' al-Tabi'in, and the four great Imams. They all based their understanding of every verse, command, and narrative of the Qur'an on the Sunnah and prioritized the interpretations of the Companions.It is also an established fact that many of the Qur'anic rulings are presented in general or concise terms, the elaboration of which is found in the Sunnah. Sometimes the Qur'an speaks in summary, general, or specific language, and in each case, it is the Sunnah and the reports of the Companions that provide the necessary clarification, specification, or contextualization. Ignoring these essential sources in interpreting the Qur'an risks distorting its meanings and destabilizing the very foundations of religion.From the Prophetic era until today, Hadith, Sunnah, and the reports of the Companions have retained their crucial role in understanding and reflecting upon the Qur'an. To interpret the Qur'an solely through personal reasoning or philosophical abstraction, bypassing these sources, is tantamount to opening the doors to misguidance—something clearly evidenced in the history of various deviant sects.Therefore, in this sacred process of Qur'anic comprehension, the Hadith of the Messenger, the purified Sunnah, and the insights of the Companions serve as foundational pillars. Together, they collectively reflect the light of the Qur'an in its fullest intensity, without which the path of divine guidance cannot be fully illuminated.

Keywords: Methodological Principles, Qur'anic Interpretation, Prophetic Sunnah, Religion of Islam, Comprehensiveness, Philosophical

قرآنِ مجید دینِ اسلام کا بنیادی سرچشمہ ہے، جو انسانیت کے لیے ہدایت، نور اور ضابطۂ حیات کے طور پر نازل کیا گیا۔ یہ کتاب اپنے کلام، فصاحت، جامعیت اور ہمہ گیریت میں بے مثال ہے، لیکن اس کی فہم (سمجھ) محض الفاظ اور جملوں کے ظاہری معانی سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ قرآن ایک جامع پیغام ہے جسے سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود کچھ اصول و ذرائع مقرر فرمائے ہیں۔ ان میں سب سے اہم ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس ہے، جنہیں قرآن کا عملی نمونہ اور مجسم تفسیر بنا کر بھیجا گیا۔ نبی کریم ﷺ نے وحی کی روشنی میں نہ صرف قرآن کی تلاوت کی بلکہ اس کے احکام کی وضاحت فرمائی، ان کی تشریح کی، اور انہیں اپنی زندگی میں نافذ کر کے دکھایا۔ اس لحاظ سے حدیث اور سنت وہ عملی تفسیر ہے جس کے بغیر قرآن کا درست فہم ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تمام مفسرین، محدثین اور فقہاء اس بات پر متفق ہیں کہ قرآن کو

سمجھنے کے لیے حدیث وسنت کو بنیاد بنانا ضروری ہے۔اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کی حیثیت بھی فہمِ قرآن کے سلسلے میں کلیدی ہے۔وہی لوگ تھے جنہوں نے قرآن کو براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے سیکھا،ان کے سامنے وحی نازل ہوتی دیکھی،اور رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کو اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔ان کے دل قرآن کی روشنی سے منور اور ان کی عقل سنتِ نبوی سے مستنیر تھی۔اس لیے ان کے اقوال وافعال یعنی "آثارِ صحابہ "قرآن کی تفہیم میں وہ بصیرت فراہم کرتے ہیں جو بعد کے ادوار کے لوگوں کو براہِ راست میسر نہیں۔علمائے امت نے ہمیشہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے حدیث اور آثارِ صحابہ پر انحصار کیا ہے۔یہی طرزِ عمل ہمیں صحابہ،تابعین، تبع تابعین اور آئمہ اربعہ کے تفسیری مناہج میں ملتا ہے۔انہوں نے قرآن کے ہر حکم،ہر آیت اور ہر واقعے کی توضیح کے لیے حدیث وسنت کو بنیاد بنایا اور صحابہ کے فہم کو ترجیح دی۔یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ قرآن میں بعض احکام اجمالی انداز میں بیان ہوئے ہیں، جن کی تفصیل سنت سے معلوم ہوتی ہے۔بعض مقامات پر قرآن مجمل ہوتا ہے، تو کہیں عام ہوتا ہے،اور کہیں خاص۔ان تمام مواقع پر سنت اور آثارِ صحابہ ہی وہ ذریعہ ہیں جو ان کی توضیح، تخصیص یا تقیید کرتے ہیں۔اگر قرآن کے فہم میں ان ذرائع کو نظر انداز کیا جائے تو نہ صرف مفہوم کی تحریف کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے بلکہ دین کی بنیادیں بھی متزلزل ہو جاتی ہیں۔عہدِ نبوی سے لے کر آج تک قرآن کی تفہیم وتدبر میں حدیث، سنت اور آثارِ صحابہ کی یہی اہمیت مسلم رہی ہے۔ان سے ہٹ کر اگر قرآن کو صرف ذاتی فہم یا فلسفیانہ تعبیرات کی بنیاد پر سمجھا جائے تو یہ گمراہی کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے، جیسا کہ مختلف باطل فرقوں کی تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے۔لہٰذا، قرآن فہمی کے اس مقدس عمل میں حدیثِ رسول، سنتِ مطہرہ اور آثارِ صحابہ کو بنیادی ستونوں کی حیثیت حاصل ہے۔یہ تینوں مل کر قرآن کی روشنی کو پوری قوت سے منعکس کرتے ہیں، جس کے بغیر ہدایت کا راستہ مکمل طور پر روشن نہیں ہو سکتا۔

اگرچہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس کی زبان کو خود قرآن نے "عربی مبین "یعنی نہایت واضح اور روشن عربی قرار دیا ہے، تاہم یہ محض عام عربی نہیں بلکہ ایک مخصوص اسلوب اور اصطلاحاتی نظم کی حامل زبان ہے۔قرآن نے متعدد مقامات پر ایسے الفاظ کو مخصوص معنوں میں استعمال کیا ہے، جو اپنی لغوی بنیاد سے ہٹ کر شرعی یا سیاقی مفہوم اختیار کر چکے ہیں۔یہی نہیں، بلکہ ایک ہی لفظ مختلف مقامات پر سیاق وسباق کے اعتبار سے جداگانہ مفہوم میں بھی استعمال ہوا ہے۔یہی اسلوب قرآن کو عام نصوص سے ممتاز کرتا ہے اور یہی وہ پہلو ہے جو قارئین کو محض لغت پر اعتماد کرنے کے بجائے گہری فکری بصیرت، اصولی فہم، اور اصطلاحی شعور کی طرف متوجہ کرتا ہے۔چنانچہ قرآن کو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی اصطلاحات، سیاقی معانی، اور متغیر استعمالات کو پیشِ نظر رکھا جائے۔یہ عمل صرف ترجمے سے ممکن نہیں، بلکہ تشریح، تعبیر اور تفسیر کی گہرائیوں میں اتر نا ناگزیر ہوتا ہے۔

کلام کی تفہیم کے اصولی ضوابط

کسی بھی کلام یا گفتگو کو سمجھنے کے لیے تین بنیادی اصول اہمیت رکھتے ہیں:

1. پہلا اصول یہ ہے کہ جس زبان میں کلام ہو، اس زبان سے واقفیت ضروری ہے۔یہ واقفیت صرف روزمرہ کی زبان تک محدود نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس زبان کی اس سطح اور معیار میں مہارت ضروری ہے جس میں وہ کلام یا علم بیان کیا جا رہا ہو۔کسی علمی یا ادبی کلام کی تفہیم کے لیے صرف عمومی زبان کا جاننا کافی نہیں، بلکہ اس زبان کے اسلوب وبیان کی مکمل سمجھ ہونا چاہیے تاکہ اس کا حقیقی مفہوم سمجھا جا سکے۔
2. دوسرا اصول یہ ہے کہ کلام کی اصل مقصد یا منشاء تک رسائی حاصل ہو۔اگر کلام میں کوئی ابہام ہو، تو اس کی اصل مراد تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے، کیونکہ کسی بھی کلام کی وضاحت کا حق پہلے اور آخری طور پر متکلم کا ہے۔دنیا میں یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ جو کلام اور گفتگو کی تنظیم کرتا ہے، اس کا بیان ہی معتبر اور حتمی تسلیم کیا جاتا ہے۔
3. تیسرا اصول یہ ہے کہ کلام یا گفتگو کے ماحول اور پس منظر کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔جب کسی کلام کا سیاق وسباق یا مخاطبین بدلتے ہیں، تو کلام کا مفہوم بھی تبدیل ہو سکتا ہے، اور اس تبدیلی کو سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔

دنیا کی تمام زبانوں اور کلاموں کے فہم کے یہی بنیادی اصول ہیں۔ہمارے موضوع کے حوالے سے، ہم یہاں پہلے اصول سے صرف نظر کرتے ہوئے، براہِ راست دوسرے اور تیسرے اصول کی بات کریں گے۔گفتگو کا ایک عمومی اصول یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا کلام کسی فرد یا قوم کی طرف سے ہو اور وہ کسی غیر متنازعہ نمائندے کے ذریعے پہنچا ہو، تو اس کے بیان کی وضاحت کو اہمیت دی جاتی ہے۔اگر کسی فرد کا بیان اس کے فہم سے بالاتر ہو تو اس کی وضاحت کا حق وہی فرد رکھتا ہے جس کے ذریعے بات پہنچ رہی ہو، اور اس کی وضاحت کو حتمی تسلیم کیا جاتا ہے۔اسی اصول کے تحت، قرآن مجید کا کلام بھی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور چونکہ ہمارا براہِ راست رابطہ اللہ سے نہیں ہے، بلکہ ہمارے واسطے کا ذریعہ رسول اللہ ﷺ ہیں، تو ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ قرآن کی وضاحت، تشریح اور مفہوم وہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائے ہیں۔جو کچھ بھی آپ ﷺ نے فرمایا، وہ اللہ کی طرف سے ہی ہوتا ہے کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے نمائندہ تھے۔یہ ایک سچائی ہے کہ جب کسی فرد کو کسی قوم یا ملک کا نمائندہ تسلیم کر

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

لیا جائے، تو اس کی ہر بات اس قوم کی طرف سے مانی جاتی ہے۔ اسی طرح، رسول اللہ ﷺ کو اللہ کا نمائندہ تسلیم کرنے کے بعد، قرآن کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت میں آپ ﷺ کا ہر کلمہ اللہ کی مراد ہی شمار ہوگا۔ یہی بات قرآن مجید میں اللہ تعالی نے بیان فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَانْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِلَ إِلَيْهِمْ [1]

اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ نصیحت نامہ اتارا ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں پر ظاہر کر دیں، جو کچھ ان کے پاس بھیجا گیا ہے۔

قرآن کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی حیثیت: ایک واضح وضاحت

مولانا عبد الماجد دریابادی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قرآنی آیت اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کردار محض ایک پیغام رساں کا نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی حیثیت قرآن کے شارح اور اس کی وضاحت کرنے والے کی بھی ہے۔ آپ ﷺ نے قرآن کو نہ صرف پڑھا، بلکہ اس کی تشریح اور وضاحت بھی کی۔ اسی مفہوم کو مزید وضاحت دینے والی ایک اور آیت ہے:

"اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ کتاب اسی لیے نازل کی ہے تاکہ آپ اُن امور کو واضح کر دیں جن میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں"[2]

یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ قرآن کی تشریح اور وضاحت آپ ﷺ کی طرف سے نہیں، بلکہ اللہ کی طرف سے کی گئی تھی، کیونکہ آپ ﷺ نے اللہ کی رہنمائی میں قرآن کے مختلف پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے واضح کیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی، تو آپ ﷺ اس کے الفاظ کو فوراً دہراتے تاکہ وہ آپ کے حافظے میں فوراً آ جائیں اور کوئی لفظ پیچھے نہ رہ جائے۔ ان آیات میں دو اہم نکات ہیں جن کا ذمہ اللہ تعالی نے خود لیا ہے:

1. یہ کہ قرآن آپ ﷺ کو کبھی نہیں بھولے گا، اور نہ ہی اس کا کوئی حصہ آپ کے حافظے سے ضائع ہوگا۔
2. جب بھی آپ ﷺ قرآن کی تلاوت کریں گے، تو آپ کی زبان پر مکمل طور پر وہی وحی جاری ہوگی، اور یہ بیان بھی اللہ تعالی کی طرف سے ہوگا۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"یہ ہمارے اللہ تعالی کے ذمہ ہے کہ ہم اس قرآن کو آپ ﷺ کی زبان سے بیان کریں"۔

ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالی نے قرآن کی تلاوت اور اس کی تشریح کے تمام امور اپنے ذمہ لے لیے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ کی زبان سے یہ تلاوت اور تشریح کی جائے گی۔

أي بعد حفظه وتلاوته نبينه لك ونوضحه وتلهمك معناه على ما اردنا و شرعنا [3]

یعنی اس کو یاد کرانے اور پڑھنے کے بعد ہم اس کی وضاحت کریں گے اور اپنے ارادے اور طریقے کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معنی و مفہوم القاء کریں گے۔"

گویا آپ ﷺ پر جس طرح قرآن مجید کے الفاظ نازل ہوئے ہیں اسی طرح اس کا معنی و مفہوم بھی نازل کیا گیا ہے، اور اب یہ آپ ﷺ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف لوگوں کو قرآن پڑھ کر سنائیں بلکہ ان پر اللہ تعالی کی مراد اور منشاء بھی واضح کریں اللہ تعالی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منصب نبوت کے ساتھ جو تین بنیادی ذمہ داریاں تفویض فرمائیں، وہ درج ذیل ہیں:

قرآن کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی ذمہ داریاں

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کی تین اہم ذمہ داریوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے ذریعے آپ ﷺ نے لوگوں تک اللہ کی ہدایت پہنچائی:

1. **آیات کی تلاوت اور تبلیغ**: قرآن میں ذکر ہے، "يَتلُوا عَلَيْهِمْ آياتهِ" یعنی آپ ﷺ کی پہلی ذمہ داری لوگوں پر اللہ کی آیات کی تلاوت اور ان کی تبلیغ کرنا تھا۔

---

[1] النحل:44

Surah An-Nahl (16), Ayah 44

[2] النحل16:63

Surah An-Nahl (16), Ayah 63

[3] ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل ابن عمر، تفسیر ابن کثیر، تفسیر، امجد اکیڈمی، اردو بازار، لاہور، 1998، ص449

Ibn Kathir, Abu al-Fida Isma'il ibn 'Umar. Tafsir Ibn Kathir. Tafsir. Lahore: Amjad Academy, Urdu Bazar, 1998, p. 449.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

2. **کتاب الٰہی کی تعلیم اور وضاحت** : آپ ﷺ کی دوسری ذمہ داری "وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ" میں بیان کی گئی ہے، یعنی آپ ﷺ کو کتاب الٰہی کی تعلیم دینی اور اس کے معانی و مفاہیم کی وضاحت کرنا تھی۔

3. **قرآن کی تفصیل اور تشریح** : تیسری ذمہ داری قرآن مجید میں اس طرح بیان کی گئی ہے: "وَانْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ" یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نازل کیا تاکہ آپ ﷺ اس کی تفصیل اور وضاحت لوگوں کے سامنے رکھیں۔

یہ سب آیات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ آپ ﷺ کا بیان، جس کے ذریعے آپ ﷺ اللہ کے ارادے اور منشا کو واضح کرتے تھے، وہ حدیث و سنت کی صورت میں تھا۔ اس لیے قرآن مجید کو صرف لغت، جاہلی شاعری، اور عقل کی بنیاد پر سمجھنا ممکن نہیں تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ ﷺ پر قرآن کی تعلیم، تبلیغ، اور تفہیم کی اتنی بھاری ذمہ داریاں عائد کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ منکرین حدیث کی بنیادی غلطی یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تشریح میں اس اختیار کو نظر انداز کیا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو دیا تھا۔ ان لوگوں نے قرآن کو صرف لغت، جاہلی شاعری، اور عقل کی بنیاد پر سمجھنے کی کوشش کی، حالانکہ حقیقی مفہوم تک پہنچنے کے لیے حدیث و سنت کی روشنی ضروری تھی۔ اگر قرآن فہمی کے لیے عربی زبان اور لغت میں مہارت ہی کافی ہوتی تو صحابہ کرام کو قرآن کی تشریح میں مشکلات کا سامنا نہ ہوتا، باوجود اس کے کہ عربی زبان ان کی مادری زبان تھی اور وہ اس زبان کی فصاحت، بلاغت، اور باریکیوں سے بخوبی واقف تھے۔ تاہم، اس کے باوجود صحابہ کو قرآن فہمی میں کئی بار مشکلات کا سامنا ہوتا، اور آخر کار وہ اس کی وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس حوالے سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

رمضان کے دوران سحری کے وقت کی وضاحت

جب قرآن مجید میں کہا گیا "وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْحَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ" [4] تو حضرت عدی بن حاتم نے سیاہ اور سفید دھاگے رکھ کر ان کے درمیان تفریق دیکھنے کی کوشش کی۔ لیکن انہیں اس بات کی وضاحت کے لیے رسول اللہ ﷺ سے سوال کرنا پڑا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "إنما ذالك سواد الليل وبياض النهار" (یعنی یہاں سے مراد رات کی تاریکی اور دن کی روشنی ہے)۔

ایمان اور ظلم کی وضاحت

جب آیت "الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ" [5] نازل ہوئی، تو صحابہ کرام کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ کیا وہ خود بھی اس آیت کے مطابق ہیں کیونکہ وہ بھی کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی شکل میں زیادتی کرتے تھے۔ آپ ﷺ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: "لیس ذالک انما ھو الشرک" (یعنی یہاں ظلم سے مراد شرک ہے، نہ کہ کسی فرد کی زیادتی)۔

قرآن مجید میں زکوۃ اور نیکی کے عمل کی اہمیت

قرآن مجید کی آیات میں مال کی جمع آوری، اس کا استعمال اور برے اعمال کے بدلے کی بات کی گئی ہے، جس میں اللہ کی رضا کی پیروی پر زور دیا گیا ہے۔

مال جمع کرنے پر سخت وعید

اللہ تعالیٰ نے سورہ توبہ میں فرمایا:

وَالَّذِينَ يَكْسِرُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَيَحْتَفِظُونَهُ وَلَا يُنفِقُونَهُ فِي سَبِيلِ اللَّـهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ[6]

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔

اس آیت میں مال جمع کرنے کو ایک برا عمل قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کا مقصد صرف جمع کرنے پر ملامت کرنا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔ "کنز" کا مفہوم اس آیت میں مکمل طور پر وضاحت کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا، اس لیے ابن عباس اس آیت کے نزول کے بعد یہ وضاحت پیش کرتے ہیں کہ مال جمع کرنا خود گناہ نہیں ہے جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔[7]

---

[4] البقرۃ 2:187

Surah Al-Baqarah (2:187)

[5] الأنعام 6:82

Surah Al-An’am (6:82)

[6] التوبہ 9:34

Surah At-Tawbah (9:34)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام میں پریشانی پیدا ہوئی۔ حضرت عمر نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا اور آپ ﷺ نے فرمایا:

إن الله لم يفرض الزكوة إلا ليطيب ما بقى من أموالكم وإنما فرض المواريث لتكون لمن بعدكم

اللہ نے زکوۃ فرض کی تاکہ باقی ماندہ مال پاک ہو جائے اور وراثت کا قانون اس لیے ہے تاکہ مال ورثاء کو منتقل ہو۔

یہ وضاحت صحابہ کرام کے لیے تسلی کا باعث بنی، کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اسلام میں مال کا جمع کرنا اور اس کا استعمال جائز ہے بشرطیکہ اس پر زکوۃ دی جائے اور وہ اللہ کی راہ میں خرچ کیا جائے۔

برے اعمال اور ان کی جزا

اللہ تعالی نے سورہ نساء میں فرمایا:

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ وَلَا يَجِدْ لَهُ مِن دُونِ اللَّـهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا

تمھاری خواہشات یا اہل کتاب کی خواہشات کے مطابق نہیں ہو گا، جو برائی کرے گا اسے اس کا بدلہ ملے گا اور وہ اللہ کے سوا نہ کوئی دوست پائے گا اور نہ مددگار۔[8]

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں اور اہل کتاب (یہود و نصاری) کے درمیان ایک مباحثہ جاری تھا، جہاں اہل کتاب یہ دعویٰ کرتے تھے کہ وہ جنت میں جائیں گے کیونکہ ان کا نبی پہلے تھا اور ان کی کتاب سابقہ کتابوں پر مشتمل ہے۔ مسلمان اس سے مختلف نقطہ نظر رکھتے تھے، کیونکہ ان کا ایمان تھا کہ نبی ﷺ خاتم النبیین ہیں اور قرآن مجید سابقہ تمام کتابوں کی منسوخی کا حامل ہے۔ اس پس منظر میں یہ آیت نازل ہوئی۔ صحابہ کرام کو اس آیت کے نزول کے بعد یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ہر عمل کا بدلہ ملے گا تو ہماری بخشش کیسے ہو گی؟ اس پر حضرت ابو بکر نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا:

يا رسول الله كيف الصلاح بعد هذه الآية؟

یا رسول اللہ ﷺ، اس آیت کے بعد ہماری نجات کیسے ہو گی؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

غفر الله لك يا ابا بكر! أليس تمرض؟ أليس تنصب؟ أليس تحزن؟ أليس تصيبك الآء؟

اللہ تمہیں بخشے، ابو بکر! کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں تکلیف نہیں پہنچتی؟ کیا تمہیں غم نہیں ہوتا؟

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

فهو ما تجزون به

یہی وہ جزا ہے جو تمہیں تمہارے اعمال کی وجہ سے دنیا میں مل رہی ہے۔

یہ وضاحت صحابہ کرام کے دلوں کو سکون بخشتی تھی، کیونکہ اس سے یہ بات واضح ہوئی کہ دنیا میں درپیش مصائب اور مشکلات ایک طرح کی جزا ہیں اور ان کا مقصد گناہوں کا کفارہ بننا ہے۔

برے اعمال کی جزا اور گناہ کی معافی

حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ جب حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ) نے یہ سوال کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أما أنت يا أبا بكر والمؤمنون فتحزنون بذلك في الدنيا حتى تلقوا الله، وليس لكم ذنوب

تم اور تمہارے ساتھی مومن اس دنیا میں برے اعمال کی سزا پاؤ گے، لیکن تم اللہ سے اس حالت میں ملاقات کرو گے کہ تمہارے گناہ نہیں ہوں گے۔

اس کے برعکس کافروں کے لیے یہ اعمال قیامت کے دن اکٹھے کیے جائیں گے اور وہ ان کی جزا یا سزا کے مطابق ہوں گے۔ یہ وضاحت اس بات کو مزید مستحکم کرتی ہے کہ مسلمانوں کے لیے دنیا میں آنے والی مشکلات اور مصائب ایک قسم کا کفارہ ہیں جو ان کے گناہوں کی معافی کا سبب بنتے ہیں، جبکہ کافروں کے لیے ان کے برے اعمال کا حساب قیامت کے دن ہو گا۔

قرآن مجید میں ہے:

---

[7] ابن عباس، "تفسير الطبري"، دار التراث، 1990، ص 190

Ibn Abbas. Tafsir al-Tabari. Dar al-Turath, 1990, p. 190.

[8] النساء 4:123

(Surah An-Nisa, 4:123)

فَأَمَّا مَنْ أُوتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيرًا[9]

تو جس کسی کو نامہ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس سے آسان حساب لیا جائے گا

جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

ليس احد يحاسب الا هلك [10]

"جس کا بھی حساب لیا گیا اس کو عذاب دیا جائے گا۔"

اس آیت و حدیث میں بظاہر مخالفت ہے۔ آیت میں ہے جن کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا حساب آسان ہو گا اور حدیث چاہتی ہے کہ جس کا بھی حساب ہوا اس کو عذاب ہو خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو۔ حضرت عائشہ نے یہ شبہ رسول اللہ ﷺ پر پیش کیا، رسول اللہ ﷺ نے دونوں میں یوں موافقت فرمائی کہ آیت میں دراصل حساب مراد نہیں ہے بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے یعنی دائیں ہاتھ میں اعمال نامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کر کے کہہ دیا جائے گا یہ تمھارے گناہ معاف کر دیئے گئے تاکہ ان کو پتہ چلے کہ اللہ تعالی نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ: "من نوقش الحساب هلك جو حساب میں کرید کیا گیا اور ذرا ذرا سی بات کی پوچھ ہوئی تو اس کو ضرور عذاب ہو گا۔

یہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی کہ وہ برائے نام حساب ہے جو مومنین سے لیا جائے گا، اصل حساب نہیں ہے۔ گویا حدیث نے آیت کے مفہوم اور مراد الہٰی کو متعین کیا اور اس وضاحت کے بعد حدیث وسنت اور قرآن میں جو ظاہری تعارض تھا وہ بھی باقی نہیں رہا۔

یعلی بن امیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر سے دریافت کیا کہ اللہ تعالی قرآن مجید میں فرماتا ہے:

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَن تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوةِ إِنْ خِفْتُمْ أَن يُفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا [11]

جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر پڑھو، اگر تمھیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں اور اب تو امن ہے (یعنی پھر سفر میں قصر کیوں پڑھتے ہیں؟) حضرت عمر نے فرمایا مجھے بھی اس بات پر تعجب ہوا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

صدقة تصدق الله بها عليكم فاقبلوا صدقة [12]

اللہ تعالی نے (سفر میں تخفیف نماز کا صدقہ کیا ہے لہذا اللہ تعالی کے صدقہ کو قبول کرو"

مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگرچہ یہ رخصت ڈر کی وجہ سے تھی مگر اب اس شرط کی معافی ہے، گویا رسول اللہ ﷺ نے آیت کی وضاحت فرمائی اور نہ آیت کے ظاہری معنی میں اشتباہ بہر حال موجود ہے۔ ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ صحابہ کرام کی زبان عربی تھی اور وہ عربی زبان کے اسرار و رموز سے پوری طرح آشنا تھے لیکن پھر بھی انہیں قرآن مجید کی کئی آیات کو سمجھنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ایسے مواقع پر صحابہ کرام نے ہمیشہ رسول اللہ نے کی طرف مراجعت کی۔ جس سے دو باتیں بالکل واضح ہو جاتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ عربی زبان وادب میں مہارت اور عربی زبان کا اعلیٰ ذوق فہم قرآن میں معاون تو ہو سکتا ہے لیکن

---

[9] الانشقاق ۸۵:۸۷

(Surah Al-Inshiqaq, 84:1)

[10] بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح، کتاب التفسير، سورة اذا السماء انشقت، حدیث: 4939۔ دار ابن کثیر، بیروت، 2001، ص 1068

Bukhari, Muhammad ibn Isma'il. *Al-Jami' al-Sahih (Sahih al-Bukhari)*, Kitab al-Tafsir, Surah Idha as-Sama'un Shaqqat, Hadith 4939. Beirut: Dar Ibn Kathir, 2001, p. 1068.

[11] النساء: 101

Surah An-Nisa, 4:101

[12] مسلم، محمد بن حجاج القشیری۔ صحیح مسلم، کتاب صلوٰة المسافرين و قصرها، باب صلوٰة المسافرين و قصرها، حدیث: 1573۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص 279

Muslim ibn al-Hajjaj al-Qushayri. *Sahih Muslim*, Kitab Salat al-Musafirin wa Qasriha, Bab Salat al-Musafirin wa Qasriha, Hadith 1573. Riyadh: Dar al-Salam li al-Nashr wa al-Tawzi', 1998, p. 279.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

صرف یہ واحد صلاحیت قرآن مجید کی تنظیم کے لیے کافی نہیں ہے، اگر ایسا ممکن ہوتا تو کم از کم صحابہ کرام کو قرآن مجید کے سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہئے تھی۔ دوسری یہ کہ قرآن مجید کے مشکل مقامات کی تشریح اور تعبیر کے لیے صحابہ کرام نے اپنی عقل ودانش اور اجتہادی بصیرت پر اعتماد کرنے کی بجائے ہمیشہ رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کیا۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ ہستی ہیں جو کلام الٰہی کا حقیقی عرفان رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد کو جانتے ہیں، اس لئے قرآنی مشکلات کی گتھیاں سلجھانے کے لئے جس ہستی سے رجوع کیا جا سکتا ہے وہ صرف آپ ہی ہیں۔ صحابہ کرام کے اس طرز عمل کا تقاضا یہ ہے کہ اس حقیقت کا اعتراف کیا جائے کہ قرآن مجید کی تفسیر و تعبیر کا محفوظ طریقہ صرف حدیث وسنت ہی ہے۔

اب ہم اپنے موقف پر بطور دلیل قرآن مجید کی چند ایسی آیات اور مقامات کی نشاندہی کریں گے جن کے صحیح مفہوم تک رسائی حدیث وسنت کو ساتھ ملائے بغیر ممکن ہی نہیں۔

قرآن مجید مجملات

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ

نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔

نمازوں کی رکعت، تعداد، ترتیب، کیفیت ادا اور وسعت وقت وہ مباحث ہیں جن کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ زکوہ کن چیزوں پر ہے؟ سالانہ زکوۃ کیا ہے اور ماہانہ کیا ہے؟ اس کا نصاب اور مقدار کیا ہے؟۔ کتاب اللہ اس معاملے میں خاموش ہے حالانکہ ان تفصیلات کے بغیر اس قرآنی حکم پر عمل نہیں ہو سکتا۔

وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ[13]

اور چاہیے کہ وہ اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

طواف کے کتنے چکر ہیں؟ طواف حجر اسود سے شروع ہو گا یا رکن شامی، عراقی، یا یمانی سے؟ یہ تفصیل قرآن میں نہیں ملتی۔ صفا مروہ کے درمیان سعی کتنی دفعہ ہے؟ سعی کی ابتدا کوہ صفا سے ہے یا مروہ سے؟ طواف پہلے کیا جائے یا سعی پہلے کی جائے گی؟۔ یہ وہ تفصیلات ہیں جن کے بغیر اس قرآنی علم کی عملی تشکیل ممکن نہیں، اور ظاہر ہے کہ قرآن مجید میں یہ تفصیلات موجود نہیں ہیں، اس لئے لامحالہ ہمیں حدیث وسنت کی طرف ہی رجوع کرنا پڑے گا۔

يٰأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا[14]

"اے لوگو! زمین میں جتنی بھی حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں، انہیں سے کھاؤ پیو۔

قرآن پاک نے حلال کو جائز قرار دیا ہے اور خیانت اور ناپاک چیزوں کو حرام کیا ہے۔ اب یہ تفصیلات کہ درندے اور شکاری پرندے طیبات میں شامل ہیں یا خیانت میں، یہ تفصیل قرآن میں کہیں نہیں ملتی، بلکہ یہ تفصیل ہمیں حدیث میں ملتی ہے۔[15]

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ[16]

تمہارے لئے دریائی شکار پکڑنا اور اس کا کھانا حلال کیا گیا ہے۔

---

[13] الحج، 29:22

Surah Al-Hajj, 22:29

[14] البقرہ، 128:2

Surah Al-Baqarah, 2:128

[15] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔ الجامع الترمذی، ابواب الصید، باب ما جاء في كراهية أكل المصبورة، حدیث: 1474۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1999، ص359

At-Tirmidhi, Muhammad ibn ‘Isa. *Jami‘ at-Tirmidhi*, Abwab al-Sayd, Bab Ma Ja’a fi Karahiyat Akli al-Musbura, Hadith 1474. Riyadh: Dar al-Salam, 1999, p. 359.

[16] المائدة، 92:3

Surah Al-Ma'idah, 5:92

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

مچھلی کو پکڑنے کے بعد ذبح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ نیز آبی کار کے بارے میں دیگر تفصیلات قرآن میں نہیں ہیں۔[17]

قرآنی اشارات

فہم قرآن کے لئے جس طرح قرآنی معملات کی توضیح ضروری ہے اسی طرح قرآن مجید میں متعدد واقعات کا ریان محض کنائی اشارات کی زبان میں ہے اور ان اشارات کی کوئی توضیح احادیث کو ساتھ ملائے بغیر ممکن نہیں۔ کہیں یہ اشارات عددی صورت میں ہیں اور کہیں واقعاتی صورت میں۔ چند مقامات ملاحظہ فرمائیں:

عددی اشارات

قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَجَاءَ مِنْ أَقْصَا الْمَدِينَةِ رَجُلٌ يَسْعَى

اور ایک شخص اس شہر کے آخری حصے سے دوڑتا ہوا آیا۔

وہ شخص کون تھا؟ جو کسی دور کے مقام سے دوڑتا ہوا آیا۔ قرآن میں اس کا اشارہ ہے لیکن نام اور باقی تفصیلات مذکور نہیں ہیں۔

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا[18]

جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور ان دو میں سے ایک اپنے رفیق سے کہ رہے تھے کہ غم نہ کرو بے شک اللہ تعالی ہم لوگوں کے ساتھ ہے۔"

وہ دو کون تھے، جن میں سے ایک دوسرے سے کہہ رہا تھا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے؟ کہنے والا کون ہے؟ جس سے کیا جا رہا ہے وہ کون ہے؟ یہ کہنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ واقعہ کب کا ہے؟ اور پھر یہ کون سی غار تھی جس میں یہ مکالمہ ہوا؟ قرآن ان تمام تفصیلات کے بارے میں خاموش ہے۔

وَعَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا

اور تین شخصوں کے حال پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔

یہ تین شخص کون تھے؟ جن پر زمین اپنی پوری وسعتوں کے باوجود تنگ کر دی گئی تھی اور ان کی اس قدر سخت آزمائش کیوں کی گئی؟ اس واقعہ کا پورا تاریخی پس منظر کیا ہے؟ قرآن مجید میں یہ تفصیلات موجود نہیں۔ یہ وہ سوالات ہیں جن کا کوئی جواب حدیث کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔[19]

واقعاتی اشارات

وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا[20]

اور جب نبی صلی علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بعض ازواج سے ایک پوشیدہ بات کہی۔

وہ بعض ازواج کون تھیں؟ وہ کیا بات تھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ محترمہ کو بطور راز کہی تھی؟ لیکن وہ راز کو راز نہ رکھ سکیں، اس واقعے کی دیگر تفصیلات کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں ہے۔

توسیعات قرآنی

---

[17] بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح، کتاب الذبائح والعید، باب قول اللہ تعالی: (أحل لکم صید البحر وبعامہ)۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1997، ص1188

Al-Bukhari, Muhammad ibn Isma'il. *Sahih al-Bukhari*, Kitab al-Dhaba'ih wal-‘Idayn, Bab Qawl Allah Ta‘ala: "Uhillalakum Saydu al-Bahr wa Ta‘amuhu." Riyadh: Dar al-Salam, 1997, p. 1188.

[18] التوبۃ:4:9

Surah At-Tawbah, 9:4

[19] بخاری، محمد بن اسماعیل۔ الجامع الصحیح، کتاب التفسیر، باب: وعلى الثلاثة الذين خُلِّفوا، حدیث:4637۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1997، ص973

Al-Bukhari, Muhammad ibn Isma'il. *Sahih al-Bukhari*, Kitab al-Tafsir, Bab: "Wa ‘ala al-thalathat alladhina khullifu," Hadith 4637. Riyadh: Dar al-Salam, 1997, p. 973.

[20] التحریم، 3:66

Surah At-Tahrim, 66:3

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

قرآن مجید ایک مکمل کتاب ہے اس میں جہاں بعض احکامات کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، وہاں بعض ایسے احکامات بھی ہیں جن کے صرف بنیادی اصول وضوابط ہی بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصول وضوابط کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے بعض احکامات کی تفصیلات خود بیان فرمادیں اور باقی تفصیلات کو امت کے مجتہدین کی صوابدید پر چھوڑ دیا تاکہ وہ آنے والے دور میں زمانے کی ضروریات اور تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے قرآن کی اساسی فکر سے رہنمائی حاصل کر کے اپنے مسائل کو حل کریں، تاہم وہ قرآنی اصول جن کی توسیع اور توضیح خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمادی ہے وہ حتمی ہے، اس میں اجتہاد کی اجازت نہیں اور نہ ہی اس میں مجتہدین کی اتباع کرنا درست ہے۔ مثال: پہلی شریعتوں میں دو بہنوں کا ایک نکاح میں جمع کرنا درست تھا لیکن قرآن مجید نے اسے آئندہ کے لئے حرام قرار دے دیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَأَن تَجْمَعُوا بَيْنَ الْاخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ[21]

اور تم پر حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو یکجا کر مگر ہاں جو ہو چکا وہ معاف ہے۔

قرآن مجید کے اس حکم میں یہ حکمت تھی کہ وہ صلہ رحمی جو دو بہنوں میں ہونی چاہئے، وہ پامال نہ ہونے پائے اور باہمی محبت قائم رہے۔ آپ ﷺ نے اس شرعی حکمت کی اس طرح توسیع فرمائی کہ اس علت کو پھر بھی بھتیجی اور خالہ بھانجی تک پھیلا دیا کہ اب یہ بھی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ ،آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لا يجمع بين المرأة وعمتها، ولا بين المرأة وخالتها [22]

کسی عورت کو اس کی پھوپھی یا اس کی خالہ کے ساتھ نکاح میں جمع نہ کیا جائے۔

شریعت اسلامی میں نسب وصہر کے رشتوں کے ساتھ دودھ کے رشتے بھی حرام کئے گئے ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أُمَّهَاتُكُمْ الَّتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ[23]

تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے اور تمہاری دودھ شریک بہنیں (تم پر حرام ہیں)۔

قرآن مجید میں دودھ کے رشتوں میں صرف ماں اور بہن کا ذکر کیا گیا ہے اس قرآنی اصل کی توسیع میں رضاعی خالہ اور رضاعی پھر بھی آجاتی ہے۔ حدیث نے اس قرآنی اصول کو ان الفاظ میں پھیلا دیا ہے:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة[24]

رضاعت سے بھی دو رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

حضرت عائشہ کا فرمان ہے:

---

[21] النساء4:23

Surah An-Nisa, 4:23

[22] مسلم، محمد بن حجاج القشیری۔ الجامع الصحیح، کتاب النکاح، باب: تحريم الجمع بين المرأة وعمتها وخالتها فی النكاح، حدیث: 3436۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص 591

Muslim ibn al-Hajjaj al-Qushayri. Sahih Muslim, Kitab al-Nikah, Bab: Tahrim al-jam‘ bayn al-mar’ah wa ‘ammatihā wa khālatihā fi al-nikah, Hadith 3436. Riyadh: Dar al-Salam, 1998, p. 591.

[23] النساء4:130

Surah An-Nisa, 4:130

[24] مسلم، محمد بن حجاج القشیری۔ الجامع الصحیح، كتاب الرضاع، باب: يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة، حدیث: 3569۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص 613۔

Muslim ibn al-Hajjaj al-Qushayri. *Sahih Muslim*, Kitab al-Rada‘, Bab: Yuharrim min al-rada‘ ma yuharrim min al-wiladah, Hadith 3569. Riyadh: Dar al-Salam, 1998, p. 613.

حرموا من الرضاعة ما يحرم من النسب [25]

رضاعت سے ان سب چیزوں کو حرام سمجھو جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں

ان احادیث کے مطابق رضائی حرمت کا تعلق صرف دودھ پلانے والی ہی سے نہ رہے گا بلکہ اس کا خاوند بھی دودھ کے رشتے میں باپ تسلیم کیا جائے گا اور اس کے لئے دودھ پینے والی حکما بیٹی ہی ہو گی۔ اس قسم کے مسائل جو اصول پل پر مبنی ہوں، اپنی توسیع میں دیگر کئی جزئیات کو شامل ہوتے ہیں اور ان جزئیات کیلئے ہم لا محالہ حدیث کے محتاج ہیں۔ قرآن مجید میں بیع کے حلال ہونے اور سود کی حرمت کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے:

أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا[26]

اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام

اس آیت میں سود کی حرمت کا بیان ہے لیکن اس علم کی علت اور حرمت کئی تجارتی پیشیوں کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک ان چھ چیزوں کی بیع و شرا میں حکم دیا ہے کہ ان کا باہمی تبادلہ نقد دست بدست اور برابر برابر ہو تو جائز ہے لیکن اگر یہ تجارت ادھار یا مقدار میں کمی بیشی کے ساتھ ہو تو سود شمار ہوگا۔ ابو سعید خدری (م ۷۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الذهب بالذهب والفضة بالفضة، والبر بالبر، والشعير بالشعير، والتمر بالتمر، والملح بالملح، مثلاً بمثل، يدا بيد، فمن زاد او استزاد فقد أربي الأخذ والمعطى فيه سواء [27]

سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی، گندم کے بدلے گندم جو کے بدلے جو کھجور کے بدلے کھجور نمک کے بدلے نمک (کی بیع و شراء) برابر برابر اور نقد بہ نقد کرو، پس جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا اس نے سودی کاروبار کیا، اس میں لینے اور دینے والا دونوں برابر ہیں۔"

تخصیص و تحدید: قرآن و سنت میں عام اور خاص احکام کی تفصیل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَانْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِلَ إِلَيْهِمْ[28]

"اور ہم نے آپ ﷺ پر یہ ذکر نازل کیا ہے تاکہ آپ ﷺ لوگوں پر واضح کر دیں جو کچھ ان کی طرف بھیجا گیا ہے۔"

یہ آیت قرآن مجید کی وضاحت کے اصول کو بیان کرتی ہے، جس میں نبی اکرم ﷺ کا فرض ہے کہ وہ اللہ کی ہدایات کو لوگوں کے لیے واضح کریں۔ قرآن میں بہت سے حکم و قوانین عمومی طور پر بیان کیے گئے ہیں، تاہم ان پر عمل کرنے میں تفصیل و تخصیص کی ضرورت ہوتی ہے، جو سنت نبوی ﷺ کے ذریعے فراہم کی جاتی ہے۔

چوری کی سزا: "ہاتھ کاٹنے" کا حکم اور اس کی تخصیص

قرآن مجید میں چوری کی سزا کے بارے میں فرمایا:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا[29]

---

[25] بخاری، محمد بن اسماعیل .الجامع الصحیح، كتاب الادب، باب: قول التي تربت بيمينك، حدیث: 6156۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص1306

Bukhari, Muhammad ibn Ismail. *Sahih al-Bukhari*, Kitab al-Adab, Bab: Qawl al-lati turabbi bi-yaminik, Hadith 6156. Riyadh: Dar al-Salam, 1998, p. 1306.

[26] البقرۃ: 275

Surah Al-Baqarah, 2:275

[27] مسلم، محمد بن حجاج القشیری .الجامع الصحیح، كتاب المساقات والمزارعة، باب: الصرف وبيع اللعب بالورق، حدیث: 4064، دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص693

Muslim, Muhammad ibn al-Hajjaj al-Qushayri. *Sahih Muslim*, Kitab al-Masaqaat wal-Muzara‘ah, Bab: Al-Sarf wa Bay‘ al-Li‘ab bil-Waraq, Hadith 4064. Riyadh: Dar al-Salam, 1998, p. 693.

[28] النحل، 16:44

Surah An-Nahl, 16:44

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR

"چور مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔"

یہ حکم عام ہے اور ہر قسم کی چوری کے لیے لاگو ہوتا ہے، چاہے چوری کی گئی رقم کم ہو یا زیادہ۔ لیکن حدیث میں اس حکم میں تخصیص کی گئی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا قطع في زمن المجاع

(قحط سالی کے وقت میں ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)۔

یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ قحط یا مجبوری کے حالات میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مزید برآں، حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا تقطع الايدي في السفر

(سفر کی حالت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے)۔

حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

لا قطع في ثمر ولا كثر

(پکے یا کچے پھل کی چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں ہے)، اس سے واضح ہوتا ہے کہ مخصوص حالات میں قرآن کے عام حکم میں تخصیص کی گئی ہے۔

وصیت اور میراث: تخصیص کے ذریعے وضاحت

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے وصیت اور میراث کے حوالے سے فرمایا:

يُوصِيكُمُ اللَّـهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ[30]

"اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں ہدایت دیتا ہے کہ بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہوگا۔"

یہ حکم تمام اولاد کے لیے تھا، لیکن حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

القاتل لا يرث

(قاتل اپنے مقتول کی میراث کا حق دار نہیں ہوتا)۔

اسی طرح حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لا يرث المسلم الكافر ولا الكافر المسلم

مسلمان کافر کا وارث نہیں بن سکتا، اور نہ ہی کافر مسلمان کا وارث بن سکتا ہے۔

یہ حدیث قرآن کے عموم کو مخصوص کر دیتی ہے اور بتاتی ہے کہ مسلمان اور کافر کے درمیان میراث کا حق نہیں ہوتا۔

وصیت کی حد: تین حصوں میں تخصیص

قرآن مجید میں یہ ارشاد ہے:

فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ

اگر (مرنے والے) کا کوئی بھائی ہو تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا، وصیت کے بعد یا قرض کی ادائیگی کے بعد۔

یہ آیت وصیت کے حوالے سے عمومی حکم دیتی ہے، مگر حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إن الله قد أعطى كل ذي حق حقه فلا وصية لوارث

اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق دے دیا ہے، لہذا وارث کے حق میں وصیت نہیں کی جا سکتی۔

مزید برآں، حضرت رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"مرنے والا اپنے ترکے کے ایک تہائی حصے کی حد تک وصیت کر سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں"۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس آیت کے عموم میں بھی تخصیص کی گئی ہے، جہاں وصیت کا حجم اور نوعیت محدود کی گئی ہے۔

---

[29] المائدۃ، 38:5

Surah Al-Ma'idah, 5:38

[30] النساء، 11:4

Surah An-Nisa, 4:11

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

زنا کی سزا: زانی کے لیے حد

سورہ نور میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ[31]

"زنا کرنے والے مرد اور عورت کو سو کوڑے مارو۔"

یہ حکم عمومی طور پر ہر زانی پر لاگو تھا، لیکن حضرت علی کی روایت کے مطابق، جب حضرت عمر کو ایک مجنون عورت کے بارے میں اطلاع ملی جس نے زنا کیا تھا، تو حضرت علی نے یاد دلایا کہ:

رفع القلم عن ثلاثة عن المجنون المغلوب على عقله حتى يفيق

(عقل سے محروم شخص، سونے والا اور نابالغ سے ذمہ داری اٹھالی گئی ہے)۔

اس حدیث کے بعد حضرت عمر نے اس عورت کو چھوڑ دیا، کیونکہ مجنون پر سزا نہیں کی جاسکتی۔ اس طرح اس حدیث کے ذریعے قرآن کے عموم میں تخصیص کی گئی ہے کہ مجنون، نابالغ اور سونے والے پر زنا کی سزا نہیں ہوسکتی۔

قرآن مجید میں عمومی طور پر بہت سے مسائل کا ذکر ہے، لیکن نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے ان مسائل کی تفصیل اور تخصیص بیان کی ہے۔ بعض آیات کے عموم میں تخصیصات وارد ہوئی ہیں، جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن کے حکم کو حالات کے مطابق تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ یہ تخصیصات شریعت کے عملی اطلاق کو آسان اور مؤثر بناتی ہیں، اور مسلمانوں کو صحیح طریقے سے ہدایات دینے میں مدد فراہم کرتی ہیں۔

فہم قرآن میں آثار صحابہ کی اہمیت

تیسرا بنیادی اصول جس کی طرف ہم نے شروع میں اشارہ کیا تھا، یہ ہے کہ کسی کلام کو بجھنے کے لیے اس کے پس منظر اور ماحول سے واقفیت ضروری ہے، کیونکہ اس کے بغیر کسی بھی کلام کے حقیقی مفہوم اور مطلب کو سمجھنا ممکن نہیں ہے، لہذا یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ بات کب کہی گئی؟ کسی ماحول میں کہی گئی؟ کن لوگوں سے کہی گئی؟ اس کے مخاطب عام لوگ تھے یا خاص؟ کیونکہ یہ ایک بدیہی بات ہے کہ پس منظر اور ماحول تبدیل ہونے سے کلام کا معنی بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ اب یہ واضح حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی جو بھی تعبیر و تشریح فرمائی ہے صحابہ کرام ہی اس کے عینی شاہد تھے، اس لئے صرف وہی بہتر جانتے ہیں کہ کونسا حکم ناسخ ہے اور کونسا منسوخ؟ کس آیت کا پس منظر کیا ہے؟ اور کون لوگ اس کے مخاطب ہیں؟ وہ حکم عام لوگوں کے لیے ہے یا چند مخصوص لوگوں کے لیے؟ ان تمام سوالات کی وضاحت کے لیے ہم صحابہ کرام کی راہنمائی کے محتاج ہیں۔ اصولی اعتبار سے فہم قرآن کے لیے جس طرح ہم حدیث وسنت کے محتاج ہیں اسی طرح صحابہ کرام کے تعامل اور ان کے اقوال و آثار کے بھی محتاج ہیں۔ فہم قرآن کے لیے آثار صحابہ کی جو اہمیت ہے اس کی وضاحت کے لیے ہم چند مثالیں عرض کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمر (م ۷۵ھ) ان صحابہ کرام میں سے تھے، جنھوں نے حضرت علی اور امیر معاویہ کی باہمی چپقلش اور جنگوں سے اپنے آپ کو علیحدہ رکھا، فتنے اور باہمی محاذ آرائی کے اس افسوس ناک دور میں آپ نے کسی بھی فریق کی عملی حمایت سے ہمیشہ احتراز فرمایا۔ بعض لوگوں کو آپ کے طرز عمل پر اعتراض تھا میں بخاری میں ہے کہ ایک آدمی ابن عمر کے پاس آیا اور کہنے لگا: اے ابو عبدالرحمن کیا آپ نے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں پڑھا؟

وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللَّهِ[32]

اور اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کرنے لگیں تو ان کے درمیان صلح کرادو، پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس سے لڑو جو زیادتی کر رہا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔

اس شخص کا مقصد یہ تھا کہ آپ بھی حضرت علی اور امیر معاویہ کے درمیان صلح کروادیں ورنہ آپ جس کو حق پر سمجھتے ہیں اس کی حمایت میں لڑیں۔ ابن عمر نے فرمایا: اے بھتیجے! مجھے اس آیت پر عمل نہ کرنے اور قتال سے احتراز برتنے پر عار دلائے جانے سے یہ زیادہ محبوب ہے کہ مجھے اس بات پر عار دلائی جائے کہ میں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّلَهُ عَذَابًا عَظِيمًا

---

[31] النور، 24:2

Surah An-Nur, 24:2

[32] الحجرات (۴۹:۹)

Surah Al-Hujurat (49:9)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر دے تو اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا، اللہ اس پر مغضب ناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار رکھے گا۔

تو وہ آدمی کہنے لگا کہ اللہ تعالی یہ ہی تو فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الَّذِينَ كُلُّهُ بله الاسان

اور ان سے لڑو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارے کا سارا اللہ تعالی ہی کے لیے ہو جائے۔ چونکہ اس شخص نے اپنے ذہن میں فتنے کا ایک غلط مفہوم سمجھ رکھا تھا اس لیے ابن عمر نے اس کی غلطی کو واضح کرتے ہوئے فرمایا:

قد فعلنا على عهد رسول الله ▢ اذ كان الاسلام قليلا فكان الرحل يفتن في دينه إما يقتلوه وإما يوثقوه حتى كثر الاسلام فلم تكن فتنة "[33]

اس فتنہ کے خلاف ہم عہد رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں قتال کر چکے ہیں جب اسلام کمزور تھا، آدمی کو اپنے دین کے معاملے میں فتنے میں مبتلا کیا جاتا تھا اگر وہ اسلام پر ی اصرار کرتا پھر یا تو اس کو قتل کر دیا جاتا یا اس کو قید کر لیا جاتا یہاں تک کہ اسلام طاقت ور ہو گیا اور فتنہ باقی نہ رہا۔

ابن عمر کی اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ جس فتنے کا قرآن نے ذکر کیا ہے اس سے مراد دو مسلمان گروہوں کا باہمی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اس سے مراد کفار کی وہ کوششیں ہیں جو وہ اہل ایمان کو اسلام سے برگشتہ کرنے کے لیے کرتے ہیں، ایسے فتنہ کی سرکوبی کے لئے جہاد فرض ہے حتی کہ فتنہ ختم ہو جائے۔ ابو عمران التجیبی بیان کرتے ہیں کہ ہم سلطنت روم میں رومیوں کے ایک عظیم الشان لشکر سے برسرپیکار تھے کہ اس دوران ایک مسلمان مجاہد نے پرجوش انداز میں تن تجا رومی لشکر پر حملہ کر دیا اور ان کی صفوں میں گھس گیا اس پر لوگوں نے شور بلند کرتے ہوئے کہا:"سبحان الله يلقى بيديه الى التهلكة (سبحان اللہ اس نے اپنی ذات کو ہلاکت میں ڈال دیا۔) اور اس کا اشارہ قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کی طرف تھا۔ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إلى التهلكة [34] حضرت ابوایوب انصاری جو اس لشکر میں موجود تھے، انھوں نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تم اس آیت کے یعنی سمجھتے ہو؟ حالانکہ یہ آیت ہم انصار کے بارے نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالی نے اسلام کو غالب کر دیا اور اس کے بہت سے اعوان وانصار پیدا ہو گئے تو ہم میں سے بعض لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بالا ی بالا یہ مشورہ کیا کہ جہاد اور دیگر دینی خدمات میں مسلسل مشغولیت کی وجہ سے ہماری جائیدادیں تباہ ہو گئی ہیں، اور اب جبکہ اللہ تعالی نے اسلام کو شان و شوکت عطا کر دی ہے اور کثیر لوگ اس کے حامی و مددگار بن گئے ہیں چونکہ اب اسلام کو ہماری مدد کی کوئی خاص ضرورت نہیں رہی اس لیے ہمیں اپنی جائیدادوں وغیرہ کی اصلاح کی کوشش کرنی چاہیے تو اللہ تعالی نے ہمارے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے نبی ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی:

وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی ذاتوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔

لہذا اس بنا پر جہاد ہلاکت نہیں ہے بلکہ جہاد چھوڑ کر فکر معاش میں پڑ جانا ہلاکت ہے۔ حضرت ابوایوب انصاری چونکہ اس آیت کے پس منظر سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے اس فکری غلطی کی فوراً اصلاح فرمادی، ورنہ اس سے نہ صرف اللہ کی راہ میں بڑھ چڑھ کر حملہ کرنے والے مجاہدین کی حوصلہ شکنی ہوتی بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت کا فاظ مفہوم بھی لوگوں کے ذہنوں میں پختہ ہو جاتا۔ ویسے بھی اگر اس آیت کے اس تاریخی پس منظر اور شان نزول کو نظر انداز کر دیا جائے تو مذکورہ بالا آیت کے پہلے جز وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور دوسرے جز: وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَ میں کوئی ظاہری مناسبت نظر نہیں آتی۔

عہد صحابہ اور خلافت راشدہ کے دور میں خوارج کا ظہور ہوا یہ لوگ عجیب و غریب عقائد و نظریات رکھتے تھے اور، ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب دائمی طور پر جہنم میں رہے گا اور جو شخص ایک دفعہ جہنم میں چلا جائے گا پھر دوبارہ اس کو وہاں سے آزادی نصیب نہیں ہو گی۔ تابعی یزید الفقیر کہتے ہیں۔ میرے دل

---

[33] بخاری، محمد بن اسماعیل .الجامع الصحیح، كتاب التفسير ، باب: وقاتلوهُمْ حَتَّى لا تكون فتنة، حدیث: 4650۔ دار السلام للنشر والتوزیع، ریاض، 1998، ص966

Bukhari, Muhammad bin Ismail. Sahih Bukhari, Book of Tafsir, Chapter: "And fight them until there is no more fitnah." Hadith: 4650. Dar as-Salam for Publishing and Distribution, Riyadh, 1998, p. 966.

[34] البقرة ۲: ۱۹۵

Surah Al-Baqarah (2:195)

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

میں خوارج کی اس بات نے گھر کر لیا کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ہمیشہ جہنم میں رہے گا، پھر میں نے لوگوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ حج کرنے کا ارادہ کیا اور سوچا کہ حج کے بعد ہم سب مل کر اس مذہب کی تبلیغ کریں گے۔ یزید کہتے ہیں کہ جب ہم لوگ مدینہ منورہ پہنچ تو دیکھا کہ صحابی رسول ﷺ حضرت جابر بن عبداللہ مسجد نبوی میں درس حدیث دے رہے ہیں اور لوگوں کی ایک بڑی جماعت ان کا درس سن رہی ہے، اتفاق سے حضرت جابر بن عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی کہ جہنمی اپنے اعمال کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں جائیں گے میں نے ان سے کہا اے صحابی رسول پاتے ایہ آپ کیسی حدیث بیان فرمارہے ہیں اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے:

رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْنَهُ

اے ہمارے رب! بے شک جس شخص کو تو نے جہنم میں ڈال دیا اس کو رسوا کر دیا

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يُخْرُجُوا مِنْهَا أَعْبُدُوا فِيهَا

جہنمی جب بھی دوزخ سے نکلنے کا ارادہ کریں گے ان کو دوبارہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

آپ ان آیات کے خلاف کیسے یہ حدیث بیان کر رہے ہیں؟ حضرت جابر نے اس اعتراض پر فرمایا: کیا تم نے قرآن مجید پڑھا ہے؟ یزید الفقیر کہتے ہیں کہ میں نے کہا ہاں، پھر انہوں نے فرمایا: کیا تم نے قرآن میں رسول اللہ ﷺ کا وہ مقام یعنی مقام محمود) پڑھا ہے جس مقام پر آپ ﷺ کو مبعوث کیا جائے گا؟۔ میں نے کہا ہاں، انہوں نے فرمایا محمد ﷺ کا مقام، وہ مقام محمود ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ ان کی شفاعت سے جہنمیوں کو جہنم سے نکال لے گا۔ یزید کہتے ہیں: پھر حضرت جابرؓ نے پل صراط اور لوگوں کے اس پر سے گزرنے کی کیفیت بیان کی، اور انہوں نے کہا کہ کچھ لوگ جہنم میں داخل ہونے کے بعد جہنم سے نکل آئیں گے۔ یہ حدیث سن کر ہم نے آپس میں کہا: تم لوگوں (یعنی خارجیوں) پر افسوس اتمہارا کیا خیال ہے بھلا یہ بزرگ اللہ کے رسول ﷺ پر افتراء باندھ رہے ہوں گے؟ چنانچہ یہ حدیث سن کر سوائے ایک آدمی کے تمام لوگ خارجی عقائد سے تائب ہو گئے۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جو قرآن کی تفسیر صرف قرآن ہی سے کرنے کے قائل ہیں بسا اوقات سامنے کی بات کو بھی نہیں سمجھ پاتے، وہاں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ خوارج کی گمراہی کی بڑی وجہ ہی تھی کہ یہ لوگ نہ تو مقام رسالت سے آگاہ تھے اور نہ ہی حدیث و سنت کی صحیح قدر و قیمت کا شعور رکھتے تھے، جس کی وجہ سے ان لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھنے میں جگہ جگہ غلطیاں کیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ (م ۷۸) چونکہ ان آیات کے حقیقی پس منظر سے آگاہ تھے اس لیے انہوں نے ان کے اشکالات کو رفع کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ اللہ کے مقام محمود اور لغت کے حق میں آپ کے کی شفاعت کبری کو ایسے انداز میں بیان فرمایا کہ جس سے نہ صرف آیات قرآنیہ کا مفہوم واضح ہو گیا بلکہ قرآن و حدیث میں کوئی تعارض بھی باقی نہ رہا۔

قرآن مجید میں ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَمَى فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَى عِثْلَثَ وَرُبع[35]

اور اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم قیموں کے باب میں انصاف نہ کر سکو گے تو جو عورتمیں تمھیں پسند ہوں ان سے نکاح کر لو، دو دو سے خواہ تین تین سے خواہ چار چار ہے۔

اس آیت مقدسہ کے پہلے جز وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَنمى اور دوسرے جز فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاء مثنى وثلث و ربع میں بظاہر اس وقت تک کسی مناسبت کا تلاش کرنا مشکل نظر آتا ہے جب تک اس آیت کے تاریخی پس منظر اور شان نزول سے مکمل آگاہی اور واقفیت نہ ہو کیونکہ آیت کے دونوں اجزا کا مضمون اور مفہوم بادی النظر میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتا ہے۔ حضرت عروہ بن زبیر نے ایک دفعہ جب ای اشکال کا ذکر حضرت عائشہ سے کیا تو انہوں نے فرمایا:

اے میری بہن کے بیٹے ایہ آیت ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں ہے جو اپنے ولی کے زیر پرورش ہو اور اس کے مال میں بھی شریک کی حیثیت رکھتی ہو۔ ایک طرف تو ولی اس کے مال پر نظر رکھتا ہو اور دوسری طرف اس کے حسن و جمال سے بھی لگاؤ رکھتا ہو لیکن اس کا ولی حق مہر میں انصاف سے کام لیے بغیر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہو اور اسے اتنا حق مہر نہ دینا چاہتا ہو جتنا کہ کوئی دوسرا دے سکتا ہو۔ اس آیت میں دراصل ایسے لوگوں کو یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے سے روکا گیا ہے، جو صرف ان کے مال کی وجہ سے ان سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے نکاح کی اجازت صرف اسی صورت میں ہے جب کہ وہ دستور کے مطابق ان کو حق مہر دینے کے لیے تیار ہوں،

---

[35] النساء۳: ۴۰

Surah An-Nisa, 4:30

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

تاہم ان یتیم لڑکیوں کے علاوہ وہ دوسری عورتوں سے نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ کی اس وضاحت سے جہاں اس آیت کا مفہوم پوری طرح واضح ہو جاتا ہے وہاں آیت کے دونوں اجزا میں جو ربط ہے اس میں بھی کوئی اشکال نہیں رہتا۔

ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی نوعمری کے زمانے میں ام المومنین حضرت عائشہ سے سوال کیا کہ آپ کی اللہ تعالی کے اس فرمان کے بارے میں کیا رائے ہے:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَن يَطَّوفَ بِهِمَا[36]

بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالی کی نشانیوں میں سے ہیں، ہو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان طواف کرے۔

میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ان صفا و مروہ کا طواف نہ بھی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہ ہونا چاہیے؟۔ حضرت عائشہ نے فرمایا: ہر گز نہیں تمھارا یہ خیال درست نہیں ہے اگر مسئلہ یہیں ہوتا تو پھر آیت یوں ہونی چاہئے تھی۔فلا جناحعَلَيْهِ أَن لا يَطوف بما لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلام سے پہلے انصار منات بت کے نام سے احرام باندھا کرتے تھے، یہ بت مقام قدید ہی میں رکھا ہوا تھا۔انصار صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے، جب اسلام آیا تو انہوں نے سعی سے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا اس پر یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی۔اسلام میں امر بالمعروف و نھی عن المنکر اپنی اپنی حدود اور دائرہ کار میں امت کے ذمہ فرض ہے۔قرآن مجید کی کئی آیات اور احادیث میں اس فریضہ کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔اس پس منظر میں جب یہ آیت مقدسہ نازل ہوئی:

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ انْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ

اے ایمان والو! اپنی فکر کرو جب تم ہدایت کی راہ پر چل رہے ہو تو جو خلص گمراہ رہے تو اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اللہ تعالی ہی کے پاس تم سب کو جانا ہے، پھر وہ تم سب کو جتلا دے گا، جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔

بعض لوگوں نے اس آیت کا یہ مفہوم سمجھا کہ ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ خود راہ راست پر رہیں، دوسرے لوگ کیا کرتے ہیں؟ اس سے انہیں کوئی غرض نہ ہونی چاہیے۔ حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے ایک شخص نے مذکورہ بالا آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: اللہ تم نے بہت ہی باخبر آدمی سے سوال کیا ہے، میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کے بارے میں پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ یہ آیت تمھارے بارے میں نہیں اس لیے تم بے فکر ہو کر نہ بیٹھ جانا بلکہ برابر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کئے جاؤ حتی کہ لوگ تنگ دل اور تنگ حوصلہ ہو جائیں، زکو قانہ دیں، خواہشات کی پیروی کرنے لگیں، دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے لگیں، ہر شخص اپنی ہی رائے پر اڑنے لگے کسی ناصح کی کچھ نہ سنے، اس وقت الگ تھلگ ہو جاؤ، تابکاروں کو اپنی حالت پر چھوڑ دو اور پھر فرمایا:

فان من ورائكم اياما الصبر فيهن مثل القبض على الحمر للعامل فيهن مثل اجر خمسين رجلا يعملون مثل عملكم[37]

بے شک تمہارے بعد ہی ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دم سادھ کر بیٹھ رہنے والا ایسی مشکلات میں ہو گا گویا آگ کو ہاتھ میں تھامے ہوئے ہے۔اپنے آپ نیک عمل کرنے والا گویا پچاس آدمیوں کے برابر نیک اجر پائے گا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی یہ آیت موضوع بحث رہی ہے اور جب بعض لوگوں نے اس آیت کو اس کے ظاہری مفہوم پر محمول کرنا چاہا تو حضرت صدیق اکبر نے لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يا ايها الناس انكم تقرء ون هذه الآية (وَيَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ انْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مِّنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُون وانكم تضعونها على غير موضعها وأني سمعت رسول الله يقول ان الناس اذا راوا المنكر ولا يغيروه او شك الله ان يعمهم بعقابه

لوگو تم یہ آیت پڑھتے ہو لیکن تم اس کو اس کے اصل مفہوم پر نہیں رہنے دیتے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: بے شک لوگ جب گناہ کی بات دیکھیں اور پھر انہیں غیرت اور غصہ نہ آئے تو کیا جب کہ اللہ تعالی ان سب کو عذاب میں متلا کر دے۔"

ان چند مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فہم قرآن کے لئے جس طرح ہم حدیث وسنت کے محتاج ہیں اسی درجے میں ہم آثار صحابہ اور تعامل صحابہ کے بھی محتاج ہیں، کیونکہ یہ صحابہ کرام ہی تھے جو رسول اللہ ﷺ کے براہ راست مخاطب تھے اور جن کے سامنے قرآن مجید کا نزول ہوا، اس لئے وہ قرآنی آیات کے شان نزول،

---

[36] البقرة ۲:۱۰۸

Surah Al-Baqarah, 2:108

[37] ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ، ابواب تفسیر القرآن، باب "ومن"، حدیث 3058، صفحہ 188

Tirmidhi, Abu 'Isa Muhammad ibn 'Isa. Jami' at-Tirmidhi, "Abwab Tafseer al-Qur'an," Bab "Wa Min," Hadith 3058, p. 188.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

اسباب نزول، زمانہ نزول اور حقیقی مفہوم سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ پی اے نے امت کے لئے اپنی سنت کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین کے طریقہ اور سنت کو بھی لازمی قرار دیا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ایک فصیح و بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس سے لوگوں کے دل نرم

اور آنکھیں تر ہو گئیں، پھر آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فعليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين عضوا عليها بالنواجذ واياكم والأمور المحدثات، فان كل بدعة ضلالة [38]

تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی اتباع لازم ہے، اس کو مضبوطی سے تھام لو۔ دین میں نئی باتوں کو شامل کرنے سے بچو بے شک دین میں ہر نئی بات گمراہی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب (م ۲۳ھ) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: میں نے اپنے پروردگار سے اپنے صحابہ کے درمیان اختلاف کے بارے میں پوچھا جو (شریعت کے فروعی مسائل میں) میرے بعد واقع ہوا تو اللتعالی نے بذریعہ ہی مجھ کو آگاہ کیا کہ اے محمد یہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے صحابہ میرے نزدیک ایسے ہیں جیسے آسمان پر ستارے، جس طرح ان ستاروں میں سے اگرچہ بعض قوی یعنی زیادہ روشن ہیں لیکن نور (روشنی) ان میں سے ہر ایک میں ہے۔ (اسی طرح صحابہ میں سے ہر ایک اپنے اپنے مرتبہ اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق نور ہدایت رکھتا ہے) لہذا جس شخص نے (علمی و فقہی مسائل میں اختلاف صحابہ میں سے جس چیز کو بھی اختیار کر لیا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہے۔ حضرت عمر فرماتے ہیں پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اصحابی كالنجوم فبابهم اقتديتم اهتديتم [39]

میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں (پس تم ان کی پیروی کرو) ان میں سے تم جس کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پاؤگے۔

ان احادیث سے واضح ہے کہ فہم دین کے لئے صحابہ کرام کی اتباع نہ صرف مقتل عام کا تقاضا ہے بلکہ ہمارا دینی فریضہ بھی ہے۔ مذکورہ بالا چند مثالوں سے اس بات میں کوئی ابہام نہیں رہتا کہ فہم قرآن کے لئے جس طرح ہم حدیث وسنت کے کے محتاج ہیں بالکل اسی درجے میں ہم صحابہ کرام کے اقوال و آثار کے بھی محتاج ہیں، کیونکہ صحابہ کرام ہی وہ خوش نصیب لوگ تھے جنہوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے قرآن مجید سیکھنے کی سعادت حاصل کی، اور وہ اسلامی احکامات اور تعلیمات کے پس منظر، ماحول اور حدود و قیود سے واقف ہونے کی وجہ سے قرآن حکیم کا درست فہم اور ادراک رکھتے تھے۔ الغرض اس پوری بحث کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح دنیا کی کسی بھی زبان میں ہونے والی گفتگو اور کلام کو سمجھنے کے لیے اس زبان کا اعلیٰ ذوق منظم کی منشاء تک رسائی اور گفتگو کا پس منظر جانا ضروری ہے اسی طرح فہم قرآن کے لیے عربی زبان کے اعلیٰ ذوق کے ساتھ ساتھ کلام الہی کے معنی مفہوم، جو حدیث وسنت کی صورت میں محفوظ ہے، کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ قرآن مجید کا معنی اور مفہوم خود اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو سکھایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کے سامنے اس کو بیان کرنے کی ذمہ داری آپ ﷺ کو تفویض کی ہے، یہی وجہ ہے کہ پوری امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ قرآن مجید کی آیات کا وہ مفہوم جس کا تعین صحیح احادیث کے ذریعے ہو چکا ہے، اب ان آیات کی کوئی بھی تشریح محض لغت اور عقل کی بنیاد پر کرنا کلی گمراہی ہے۔ قرآن مجید میں زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق بنیادی اصول تو موجود ہیں لیکن ان اصولوں کی توضیح اور تشریح حدیث رسول پلے کے بغیر ممکن نہیں جیسا کہ ہم نے گزشتہ سطور میں کئی آیات بطور مثال پیش کی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے اولین مخاطب چونکہ حضرات صحابہ کرام تھے اور انہوں نے قرآن مجید براہ راست رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے اس لئے وہ تمام احکام الہی کے عینی شاہد ہیں کہ کس حکم کا پس منظر اور دائرہ کار کیا ہے۔ اس نقطہ نظر سے آثار صحابہ کی اہمیت بھی حدیث وسنت سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

---

[38] ابن ماجہ، ابو عبد اللہ محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ، المقدمة، باب اتباع سنّة الخلفاء الراشدين المهديين، حدیث: 42، ص: 6۔ ریاض: دار السلام للنشر والتوزیع، 1999

Ibn Majah, Abu Abdullah Muhammad ibn Yazid. Sunan Ibn Majah, Muqaddimah, Bab "Ittiba' Sunnah al-Khulafa' al-Rashideen al-Mahdiyin," Hadith 42, p. 6. Riyadh: Dar al-Salam li-Nashr wa al-Tawzi', 1999.

[39] خطیب تبریزی، ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ۔ مشكاة المصابيح، باب مناقب الصحابة، الفصل الثالث، ص: 554۔ کراچی: قدیمی کتب خانہ، 1368ھ

Khatib al-Tibrizi, Abu Abdullah Muhammad ibn Abdullah. Mishkat al-Masabih, "Bab Manakib al-Sahabah," Fasl al-Thalith, p. 554. Karachi: Qadeemi Kutub Khana, 1368 AH.

ISSN E: 3006-1466
ISSN P: 3006-1458
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
CJSSR
CONTEMPORARY JOURNAL OF SOCIAL SCIENCE REVIEW
Vol.03 No.01 (2025)

نتائج:

1. صحابہ کرام کی فہم قرآن میں اہمیت رکھتی ہے کیونکہ وہ اس بات کو سمجھنے میں سب سے زیادہ قریب تھے کہ قرآن کا پیغام کس طرح اور کس سیاق و سباق میں نازل ہوا۔
2. قرآن میں جو عام اور مجمل الفاظ ہیں، ان کی وضاحت حدیث اور صحابہ کے فہم کے ذریعے ممکن ہو پاتی ہے۔
3. سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی تشریح اور تخصیص کرتی ہے، جس سے قرآن کے کچھ حکموں کو حالات و واقعات کے مطابق سمجھا جا سکتا ہے۔
4. صحابہ کرام کے فہم قرآن کی بنیاد پر ان کے ذریعے کیے گئے اجتہادات اور فقہی فیصلے امت کے لیے رہنمائی فراہم کرتے ہیں۔
5. قرآن کے عمومی احکام کی تشریح کے لیے حدیث اور فہم صحابہ کی مدد سے مختلف مقامات پر تخصیص یا تقیید کی جاتی ہے۔
6. اس تفصیل کی مدد سے قرآن کی آیات کی صحیح تشریح اور عملی اطلاق ممکن ہوتا ہے، جو آج بھی مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے ضروری ہے۔
7. قرآن فہمی کے اصول میں فرقہ واریت سے بچنے کے لیے علماء کا متفقہ فہم اہمیت رکھتا ہے۔
8. حدیث و سنت اور فہم صحابہ کی روشنی میں قرآن کی آیات کے تمام ممکنہ مفاہیم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
9. ان اصولوں کی مدد سے قرآن کو ایک زندہ اور مؤثر ضابطۂ حیات کے طور پر اپنانا ممکن ہوتا ہے۔

سفارشات:

1. قرآن فہمی کے عمل میں حدیث اور سنت کو ایک اہم ذریعہ سمجھا جائے تاکہ قرآن کی آیات کی تشریح اور وضاحت بہتر ہو سکے۔
2. صحابہ کرام کے فہم قرآن کو اہمیت دی جائے کیونکہ انہوں نے قرآن کو براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سمجھا۔
3. قرآن کے عمومی اور مجمل الفاظ کی تشریح کے لیے مستند حدیث کی مدد لی جائے تاکہ ان کی مکمل تفصیلات حاصل کی جا سکیں۔
4. مختلف فرقہ واریت سے بچنے کے لیے تمام اہل علم کو اجتہاد میں یکجہتی کی کوشش کرنی چاہیے اور قرآن فہمی میں علماء کے متفقہ نظریات کو فروغ دینا چاہیے۔
5. قرآن فہمی کے اصولوں کو ہر سطح پر تدریس اور تعلیم کا حصہ بنایا جائے تاکہ جدید نسل بھی قرآن کی صحیح تفہیم حاصل کر سکے۔
6. جدید تحقیق اور وسائل کو استعمال کرتے ہوئے حدیث و سنت کے ذریعے قرآن کے معانی اور مقاصد کی جدید تفصیلات کی تلاش کی جائے۔
7. قرآن کی آیات کی صحیح تشریح کے لیے مختلف علمی مکاتب فکر کی رائے کو سنا جائے تاکہ فہم قرآن میں وسعت اور جامعیت آ سکے۔
8. قرآن کے فہم میں صحابہ کرام کے اجتہادات اور فیصلوں کا احترام کیا جائے اور ان سے رہنمائی حاصل کی جائے۔
9. قرآن کی فہمی میں تفسیر کی متعدد کتابوں اور منابع کا مطالعہ کیا جائے تاکہ اس کے مختلف پہلوؤں کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔
10. قرآن فہمی کے عمل کو زندگی کے تمام شعبوں میں عملی طور پر نافذ کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ قرآن کی تعلیمات کو عملی زندگی میں لاگو کیا جا سکے۔

خلاصہ

قرآن فہمی کا عمل صرف ایک زبانی تلاوت یا سطحی تفہیم تک محدود نہیں ہونا چاہیے، بلکہ یہ ایک گہرا علمی اور روحانی عمل ہے جو ایمان و عمل کے درمیان مضبوط تعلق قائم کرتا ہے۔ قرآن فہمی میں حدیث و سنت اور صحابہ کرام کے فہم کو اہمیت دینا ضروری ہے کیونکہ یہ ہمارے لیے قرآن کی صحیح تشریح اور اس کے معانی کی حقیقت تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ ہیں۔ قرآن میں بعض آیات ایسی ہوتی ہیں جن کا مفہوم ظاہری طور پر واضح نہیں ہوتا، یا جن کی تفصیل بیان نہیں کی جاتی۔ اس طرح کی آیات کو سمجھنے کے لیے حدیث اور سنت کا علم ضروری ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث قرآن کی تشریح اور وضاحت فراہم کرتی ہے۔ صحابہ کرام نے قرآن کو براہ راست نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور سمجھا، اس لیے ان کا فہم قرآن نہایت اہم ہے۔ وہ اس دور کے سب سے قریبی لوگ تھے جو قرآن کے نزول کے وقت زندہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کے معانی و مقاصد کو سمجھنے کا موقع تھا۔ اس بات کو سمجھنا بھی ضروری ہے کہ قرآن کے کئی آیات عام یا مجمل ہوتی ہیں، جن کی تفصیل حدیث کی روشنی میں ملتی ہے۔ جیسے کہ قرآن میں چوری کی سزا کے حوالے سے جو حکم دیا گیا ہے، اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کی وضاحت کی اور اس میں کچھ تخصیصات بیان کیں جو کہ قرآن کی مجمل آیت کو تفصیل دیتی ہیں۔ اسی طرح قرآن میں کئی احکام ہیں جن کی وضاحت صحابہ کرام نے اپنے اجتہادات کے ذریعے کی۔ صحابہ کرام کا فہم قرآن ایک تاریخی اور علمی ذخیرہ ہے جس سے استفادہ کرنا ہمارے لیے نہایت ضروری ہے۔ ان کے اجتہادات اور فیصلے قرآن کے اصولوں کو سمجھنے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ قرآن فہمی کا یہ عمل ہم تک اس علم کا صحیح اور مکمل ترجمہ پہنچانے کا ذریعہ ہے، جو ہمیں اپنے روزمرہ زندگی میں قرآن کے اصولوں کو سمجھ کر عمل کرنے کی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ آخر کار، قرآن فہمی کا یہ عمل مکمل اور جامع تب ہی ہو سکتا ہے جب ہم قرآن کے الفاظ کی گہرائی میں جائیں، حدیث و سنت کو سمجھیں، صحابہ کرام کے فہم کو اہمیت

دیں،اوراجتہاد کی روشنی میں قرآن کے تمام پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔اس طرح قرآن کے اصل پیغام کو نہ صرف سمجھا جاسکتا ہے بلکہ اس پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے، جو کہ ہر مسلمان کی زندگی کا مقصد ہونا چاہیے۔

مصادر ومراجع

1. القرآن
2. ابن کثیر،ابوالفداءاسماعیل ابن عمر، تفسیر ابن کثیر،امجد اکیڈمی،لاہور،1998،ص.449۔
3. الطبری،ابوجعفر محمد بن جریر، تفسیر الطبری،دارالتراث،1990،ص.190۔
4. بخاری، محمد بن اسماعیل،الجامع الصحیح،کتاب التفسیر،حدیث:4939،دارابن کثیر،بیروت،2001،ص.1068۔
5. مسلم، محمد بن حجاج القشیری، صحیح مسلم،کتاب صلوۃ المسافرین وقصرہا،حدیث:1573،دارالسلام للنشر والتوزیع،ریاض،1998،ص.279۔
6. ابن ماجہ،ابوعبداللہ محمد بن یزید، سنن ابن ماجہ،المقدمۃ،حدیث:42،دارالسلام للنشر والتوزیع،ریاض،1999،ص.6۔
7. ترمذی،ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ،الجامع الترمذی،ابواب تفسیر القرآن،حدیث:3058،دارالسلام للنشر والتوزیع،ریاض،1999،ص.188۔
8. الخطیب التبریزی،ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ،مشکاۃ المصابیح،باب مناقب الصحابۃ،الفصل الثالث،قدیمی کتب خانہ،کراچی،1368ھ،ص.554۔
9. ابن تیمیہ،احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی،دارالفکر،بیروت،1984،جلد13،ص.350۔
10. الزرقانی،محمد بن عبدالباقی،شرح المواھب اللدنیہ،دارالفکر،بیروت،2000،جلد2،ص.87۔
11. فخر الدین الرازی،التفسیر الکبیر،دار إحیاء التراث العربي،بیروت،2002،جلد4،ص.215۔

Bibliography

1. Ibn Kathir, Abu al-Fida Ismail ibn Umar, Tafsir Ibn Kathir, Amjad Academy, Lahore, 1998, p. 449.
2. Al-Tabari, Abu Ja'far Muhammad ibn Jarir, *Tafsir al-Tabari*, Dar al-Turath, 1990, p. 190.
3. Bukhari, Muhammad ibn Ismail, Al-Jami' al-Sahih, Book of Tafsir, Hadith: 4939, Dar Ibn Kathir, Beirut, 2001, p. 1068.
4. Muslim, Muhammad ibn Hajjaj al-Qushayri, *Sahih Muslim*, Book of Prayer of Travelers and its Shortening, Hadith: 1573, Dar al-Salam for Publishing and Distribution, Riyadh, 1998, p. 279.
5. Ibn Majah, Abu Abdullah Muhammad ibn Yazid, Sunan Ibn Majah, Introduction, Hadith: 42, Dar al-Salam for Publishing and Distribution, Riyadh, 1999, p. 6.
6. Tirmidhi, Abu Isa Muhammad ibn Isa, Al-Jami' al-Tirmidhi, Chapters on Tafsir of the Quran, Hadith: 3058, Dar al-Salam for Publishing and Distribution, Riyadh, 1999, p. 188.
7. Al-Khatib al-Tabrizi, Abu Abdullah Muhammad ibn Abdullah, *Mishkat al-Masabih*, Chapter on the Virtues of the Companions, Part Three, Qadeem Kitab Khana, Karachi, 1368 AH, p. 554.
8. Ibn Taymiyyah, Ahmad ibn Abd al-Halim, Majmu' al-Fatawa, Dar al-Fikr, Beirut, 1984, Vol. 13, p. 350.
9. Al-Zurqani, Muhammad ibn Abd al-Baqi, Sharh al-Mawahib al-Laduniyyah, Dar al-Fikr, Beirut, 2000, Vol. 2, p. 87.
10. Fakhr al-Din al-Razi, Al-Tafsir al-Kabir, Dar Ihya' al-Turath al-Arabi, Beirut, 2002, Vol. 4, p. 215.